فرائضی تحریک

ایک تاریخی جائزہ

ڈاکٹر معین الدین ☆ ترجمہ: ثروت صولت

(۱)

فرائضی تحریک مذہبی احیاء و اصلاح کی تحریک تھی جس کا بیڑا حاجی شریعت اللہؒ نے ۱۸۱۹ء میں بنگال میں اُٹھایا۔ تاریخی لحاظ سے یہ بات بڑی اہم ہے کہ طریقۂ محمدیہ کی تحریک بھی سید احمد شہیدؒ نے اسی سال[1] دہلی میں شروع کی، اور اس کے اغراض و مقاصد بھی تقریباً وہی تھے جو فرائضی تحریک کے تھے۔ لہٰذا بعض مصنفین کی یہ بحث کہ ان دونوں میں سے کون سی تحریک قدیم ہے۔ قابلِ غور نہیں ہے[2]۔

فرائضی تحریک فی الحقیقت اسلام میں احیاء و اصلاح کے ان رجحانات کا مظہر تھی جو انیسویں صدی کی دنیائے اسلام میں نمایاں طور پر ظاہر ہو رہے تھے۔ لہٰذا فرائضی تحریک بھی احیاء کی ویسی ہی ایک تحریک تھی جیسی اس صدی کی دوسری تحریکیں مثلاً عرب کی موحدون کی تحریک جسے وہابی تحریک کا نام دیا گیا ہے، مصر کی تحریک سلفیہ، لیبیا کی سنوسی، نائیجیریا کی فولانی اور انڈونیشیا کی پدوری تحریک اور برصغیر کی تحریک یا طریقۂ محمدیہ اور تحریک اہل حدیث۔ ان تمام تحریکات میں چند باتیں مشترک تھیں،

۱۔ قرآن کریم میں توحید کی جو سیدھی سادی تعلیم دی گئی ہے اُسے ازسرِنو پیش کیا جائے۔

۲۔ سنتِ رسولؐ پر اسی طرح عمل کیا جائے جس طرح سلف صالحین یعنی صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ نے عمل کیا تھا۔

۳۔ مسلم معاشرہ کو اُس شرک اور بدعت سے پاک کیا جائے جس میں بیرونی اثرات یا غیر اسلامی مقامی رسم و رواج کے باقی رہ جانے کی وجہ سے مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرہ مبتلا ہو گیا تھا۔

۴۔ اسلامی مساوات اور اخوت کی بنیادی اقدار اور اسلامی دنیا کے اتحاد کو بحال کر کے اُمتِ مسلمہ میں ایک نئی روح پھونکی جائے۔

اور آخر میں مسلمانوں کو اس ضرورت کا احساس دلایا جائے کہ مسلمان ملکوں کو غیر مسلموں کے قبضہ سے
آزاد کرایا جائے اور اس مقصد کی خاطر جہاد شروع کیا جائے۔ اس آخری جذبہ کے تحت ان
تحریکات کے داعیوں نے کھلم کھلا یا پوشیدہ طور پر ایک اسلامی نظام اور سیاسی مملکت قائم
کرنے کے لئے بھی جدوجہد کی۔

ان تمام تحریکات کے علمبردار اسلامی مساوات و اخوت کے جذبات سے سرشار تھے اور انہوں
ہی امداد و تعاون حاصل کرنے کے لئے براہ راست مسلم عوام سے رابطہ قائم کیا۔ انھوں نے ہر قسم
ظلم و جور کی اور انسان کے ہاتھوں انسان کے استحصال کی کھل کر مذمت کی۔ انہوں نے ملکی اور غیر ملکی
ن قسم کے جابروں کے خلاف پوری قوت کے ساتھ عوام کا ساتھ دیا۔ ان کی مسلسل جدوجہد اور
رست تبلیغی مہم نے مسلمان عوام کو بڑی حد تک بیدار کر دیا اور انیسویں صدی میں اسلامی دنیا کے
ف حصوں میں جہاد یا آزادی کی تحریکیں شروع کرنے کے لئے ان میں ایک نئی روح پھونک دی۔ جہاد
، تحریکات نے انڈونیشیا، برصغیر پاک و ہند، عرب، مصر اور شمالی افریقہ میں جو جوش عمل پیدا کر دیا
ں نے موجودہ صدی کے نصف اول میں آزادی کی تحریکات کو مقبول عام بنانے میں اہم کردار ادا
ہے۔

لیکن فرائضی تحریک کو سمجھنے کے لئے صرف یہ کافی نہیں ہے کہ اس کا مطالعہ احیائے اسلام کی ان
گیر اسلامی تحریکات کے پس منظر میں ہی کیا جائے۔ اس کی حقیقی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لئے اس
یک کو اس کے مقامی تاریخی پس منظر میں بھی دیکھنا چاہئے۔ کیونکہ اس کے قابل عمل ہونے اور اس کی
یابیوں اور ناکامیوں کے بارے میں کوئی رائے صرف اسی پس منظر میں دی جا سکتی ہے۔ مقامی طور پر
کا مقابلہ احیائے اسلام کی ان دوسری تحریکات سے کرنا بھی ضروری ہے جو طریقۂ محمدیہ، تعیّنی
ر اہل حدیث کی تحریکات کے نام سے موسوم ہیں۔ کیونکہ یہ تمام تحریکیں ایک دوسرے پر بھی اثر انداز
تی رہی ہیں۔

فرائضی تحریک اور طریقۂ محمدیہ دونوں کا مقصد چونکہ احیاء اسلام تھا اس لئے قدرتی طور پر دونوں
بہت سی باتیں مشترک تھیں۔ ان میں فرائضی تحریک مشرقی بنگال اور آسام کے ان حصوں تک محدود
ں جو اب مشرقی پاکستان پر مشتمل ہیں۔ ان علاقوں میں یہ تحریک خوب پھیلی اور مشرقی بنگال کے عوام کی

قوت اور ان کی خصوصیات کی ترجمان بن گئی۔ اس کے برخلاف طریقۂ محمدیہ کا ظہور ہندوستان کے ایک ایسے مسلم معاشرے میں ہوا جو سیاسی طور پر زوال پذیر تھا۔ یہ تحریک یو پی اور دہلی سے شروع ہوئی اور اس کے اثرات بہار، بنگال، دکن اور شمال مغربی سرحد تک پھیل گئے۔ ابتداء میں دونوں کے مقاصد خالص دینی نوعیت کے تھے لیکن چونکہ ان مقامات پر جہاں ان تحریکات کا آغاز ہوا تھا، مختلف قسم کی سماجی، سیاسی اور معاشی قوتیں اپنا کام کر رہی تھیں اس لئے دونوں نے ایک دوسرے سے کسی قدر مختلف شکل اختیار کر لی۔ چنانچہ فرائضی تحریک پر جلد ہی سماجی اور معاشی رنگ غالب آگیا جب کہ تحریک طریقۂ محمدیہ نے سماجی اور سیاسی انداز اختیار کر لیا۔ ابھی دس سال ہی گزرے تھے کہ فرائضی تحریک شدید معاشی کشمکش میں مبتلا ہو گئی جس کا مقصد نیل کے یورپی کاشت کاروں اور بندوبست دوامی کے بنیا زمینداروں کی سخت اور جابرانہ پالیسی سے مسلمان کاشت کاروں کی حفاظت کرنا تھا [۴]۔ اسی دوران طریقۂ محمدیہ نے پنجاب میں سکھوں کے خلاف جہاد کی مہم کا آغاز کر دیا۔ [۵]

اس جگہ یہ ملحوظ رہے کہ بنگال میں ۱۸۲۱ء سے ۱۸۲۳ء تک سید احمد شہیدؒ کے براہ راست تعلق کی وجہ سے طریقۂ محمدیہ نے بڑی قبولیت حاصل کر لی تھی۔ یہ اس تحریک کا بنگال میں پہلا مرحلہ اس کا دوسرا مرحلہ اس وقت شروع ہوا جب سید احمدؒ کے ایک بنگالی مرید میر نثار علیؒ عرف تیتو میر نے ۱۸۲۷ء اور ۱۸۳۱ء کے درمیان اس تحریک کو ۲۴ پرگنہ اور ندیا میں ایک عوامی انقلابی تحریک میں بدل دیا۔ اپنے اس دوسرے مرحلے میں اس تحریک نے بھی فرائضی تحریک کی طرح بنیا زمینداروں اور یورپی کاشت کاروں کے خلاف معاشی جد وجہد شروع کر دی [۶]۔ تحریک کا یہ مرحلہ اگرچہ مختصر تھا لیکن اس مدت میں اس نے مغربی بنگال میں وہی کام کیا جو فرائضی تحریک مشرقی بنگال میں انجام دے رہی تھی جاجی شریعۃ اور تیتو میر کی تحریکوں کی اس ظاہری مماثلت کی وجہ سے کئی مصنفوں کو یہ دھوکا ہوا ہے کہ یہ دونوں فرائضی تحریکیں تھیں۔ حالانکہ شریعت اللہ اور تیتو میر کی طرف سے معاشی حقائق کا اعتراف ان کی مبینہ فرائضیت کا ثبوت نہیں۔ معاشی مسائل کی طرف ان دونوں تحریکوں کی یہ توجہ انیسویں اور بیسویں صدی میں بنگال کے دیہی معیشت کے بحران کی وجہ سے تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان مذہبی اصلاحی تحریکوں کو اپنی طرح کی دوسری عالمی تحریکوں کے پس منظر میں دیکھنے کے ساتھ اُن کو مقامی تاریخ کے پس منظر میں بھی دیکھنا چاہیئے۔

اس جگہ تاریخ بنگال کی تفصیل میں جانا نہ تو ممکن ہے اور نہ مناسب۔ اتنا جان لینا کافی ہے کہ بنگال

لمانوں کی حکومت تیرھویں صدی عیسوی کے شروع میں قائم ہوئی اور ۱۷۵۷ء میں جنگ پلاسی تک بنگال برصغیر
مسلمانوں کی قوت کا ایک اہم مرکز بنا رہا۔ جنگ پلاسی کے بعد بنگال، بہار اور اڑیسہ کی سیاست پر انگریز
بض ہو گئے۔ بنگالی مسلمانوں کی سیاسی قسمت پر مہر لگا دی گئی یہاں تک کہ ایک سو نوے سال بعد ۱۹۴۷ء
، پاکستان قائم ہو گیا۔ غلامی کے اس طویل دَور کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کا زمانہ جو ۱۷۵۷ء سے ۱۸۵۷ء تک قائم رہا۔

۲۔ تاج برطانیہ کی حکومت کا زمانہ جو ۱۸۵۸ء سے ۱۹۴۷ء تک قائم رہا۔

مسلمانانِ بنگال کی طویل اور شاندار تاریخ میں کمپنی کا سو سالہ دورِ حکومت سب سے تاریک زمانہ ہے۔ اس دَور میں بنگال کے مسلمان تعداد کے لحاظ سے جاوا کے بعد دنیا میں سب سے زیادہ اکثریت کے لک تھے لیکن دنیوی لحاظ سے انتہائی پستی میں گر چکے تھے۔ اس دَور میں مسلمانوں کو ایک منصوبے کے تحت جی اور شہری ملازمتوں سے خارج کر دیا گیا۔ پرانے شرفا کو جن کے ہاتھوں میں عوام کی قیادت تھی اور جو ان سرپرستی کرتے تھے ان کی زمینوں سے بیدخل کر دیا گیا اور یہ زمینیں ان لوگوں کو پٹہ پر دے دی گئیں جو ام میں سب سے زیادہ بولی لگاتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس نظام کی وجہ سے جو بندوبست دوامی کہلاتا ۱۷۹۳ء کے بعد زمینداروں کا ایک نیا طبقہ وجود میں آگیا۔ یہ زمیندار بنیے اور کاروباری لوگ ہوتے تھے۔ یں دولت کی جو حرص تھی وہ کمپنی کے ملازموں کی اس پالیسی کے موافق ثابت ہوئی کہ افلاس زدہ کسانوں کی کھال ے اُدھیڑ لی جاتی تھی[9]۔ علاوہ ازیں سب سے بڑھ کر یہ مصیبت نازل ہوئی کہ لاخراجی اور محصول معاف زمینوں ر (جو لکھی راج کہلاتی تھیں) حکومت نے اپنے قبضہ میں لے لیا جس کی وجہ سے ہزاروں خوشحال مسلمان گھرانے باہ و برباد ہو گئے[10]۔ ان تبدیلیوں نے مسلمانوں کے تمام طبقوں کو ناقابلِ تصور حد تک مفلس اور قلاش کر دیا مسلمانوں کے اعلیٰ طبقہ کو سیاسی اور معاشی میدانوں میں مسلمان عوام سے بالکل علیحدہ کر دیا[11]۔

دوسری طرف سیاسی میدان میں کمپنی کے ملازموں نے بنگال کے باغی مسلمان نوابوں کے خلاف سازش لے پلاسی کے میدانِ جنگ میں مسلمانوں کو شکست دی۔ یہ سازش بنگال اور بہار کے بعض ہندو ساہوکاروں کے تعاون سے تیار کی گئی تھی اور اس کی کامیابی میں کلکتہ کے ہندو بنیوں کے عملی تعاون کا بڑا ہاتھ تھا[12]۔ ان بنیوں ربعد میں گماشتہ یا کمپنی کے کالے ایجنٹوں کے نام سے شہرت ملی۔ کمپنی بہادر کی حکومت میں بنیوں کے اس بقہ کو قدرتی طور پر بہت زیادہ اہمیت حاصل ہو گئی اور اپنے سفید آقاؤں کے تحفظ اور ان کی سنگدلانہ

ریرستی کی بدولت وہ عوام پر حکومت کرنے لگے[۱۳]۔ ان بنیوں کے بے لگام مظالم نے مختصر مدت میں بنگال کی ہڑے، ریشم، شکر اور نمک کی ترقی پذیر صنعتوں کو جو بین الاقوامی شہرت رکھتی تھیں تباہ و برباد کر دیا[۱۴]۔ اس تباہی شکار صوبہ بنگال کے وہ مسلمان دستکار ہوئے جو ایک موسم میں ہل چلاتے تھے تو دوسرے میں چرخہ اور کرگھا۔ ں کے بعد بنیا زمینداروں کے مظالم اور نیل کے یورپی کاشت کاروں کی بے رحمی نے غریب اور بے بس کسانوں و تقریباً حیوانوں کی سطح پر پہنچا دیا[۱۵]۔ اس طرح مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کے خاتمے کی وجہ سے زبردست معاشی سائل پیدا ہو گئے۔ چنانچہ ایک انگریز افسر نے ۱۸۴۴ء کے کلکتہ ریویو میں لکھا:

"یہ ایک ایسا قابلِ نفریں انقلاب تھا جس نے بنگال کو انقلابِ فرانس کے روبسپیرین (ROBES-PIERIAN) دور میں تبدیل کر دیا"[۱۶]

مسلمانانِ بنگال کی معاشرتی زندگی میں بدقسمتی سے ایک رجحان یہ کام کر رہا تھا کہ ان کا بالائی طبقہ خود کو برابر ایرانی ثقافت میں ڈھالنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ حالانکہ یہ ثقافت ایک بیرونی ثقافت تھی اور اس کی وجہ سے ان کے اور نچلے طبقے کے درمیان خلاء پیدا ہو گیا تھا کیونکہ یہ نچلا طبقہ مقامی ثقافت کو پروان چڑھا رہا تھا اور بنگالی زبان اور ادب کو فروغ دے رہا تھا۔ لیکن اس کے باوجود ترک اور پٹھان حکمران بنگالی زبان کے ادیبوں اور شاعروں کی کھل کر سرپرستی کرتے رہے اگرچہ یہ سرپرستی مغل گورنروں کے زمانے میں کم ہو گئی تھی اس کی وجہ معلوم کرنا مشکل نہیں ہے۔ بنگال کی تسخیر میں اور وہاں اکبر اور جہانگیر کے زمانے میں مغل حکومت کو مستحکم کرنے میں بہت وقت صرف ہوا کیونکہ پٹھانوں نے جن کے ساتھ مقامی امراء نے تعاون کر لیا تھا مغل حکومت کا سخت مقابلہ کیا تھا۔ چنانچہ بنگال میں جب مغل حکومت قائم ہوئی تو پٹھان حکمرانوں کے ساتھ ساتھ مقامی امراء کا خاتمہ بھی کر دیا گیا۔ مغلوں کے زمانے میں امراء کا جو نیا مسلم طبقہ پیدا ہوا وہ زیادہ تر سرکاری ملازموں پر مشتمل تھا جو مغل فاتحوں کے ساتھ یوپی، دہلی اور دوسرے مقامات سے آئے تھے۔ فطری بات ہے کہ اس نئے طبقہ کو بنگالی زبان اور ادب سے کوئی وابستگی نہیں تھی اور وہ ان چیزوں کو ہندو ثقافت کا ایک حصہ سمجھ کر ایک حد تک نفرت کرتا تھا۔ اُن کے اس طرزِ عمل سے نہ صرف یہ کہ معاشرہ کے ان دونوں طبقوں کے درمیان فرق اور زیادہ بڑھ گیا بلکہ نفسیاتی طور پر اس طرح دونوں طبقے ایک دوسرے کے مخالف ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نیا بالائی طبقہ اس خلاء کو پُر نہ کر سکا۔ غالباً یہ ایک بڑی وجہ ہے کہ پلاسی کی جنگ کے وقت یا حکمران انگریزوں کی طرف سے مسلمانوں کے بالائی طبقہ کو ختم کرتے وقت بنگال میں کسی قسم کی عام بغاوت نہیں ہوئی۔

اس بات کے نتائج بڑے دُور رس نکلے خصوصاً بیرونی تسلط کے دَور میں۔ ڈاکٹر آر۔سی ماجومدار لکھتے ہیں کہ "انیسویں صدی کے آغاز میں مسلمانوں کی تہذیب وثقافت ہندوستان کے ہر حصے میں اپنی قوت کھو چکی تھی لیکن بنگال کے مسلمانوں کی حالت دوسرے صوبوں کے مسلمانوں کی حالت سے بھی زیادہ خراب تھی اور اس کی وجہ یہ بھی کہ یہاں کے مسلمانوں میں اعلیٰ طبقہ مفقود تھا[17]۔" اسی طرح جیمز وائز (JAMES WISE) رقمطراز ہے: "ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ میں دیوانی آجانے کے بعد سے حاجی شریعت اللہ کے ظہور تک پچاس سال (۱۷۶۵ء تا ۱۸۱۸ء) کے عرصے میں مشرقی بنگال کے مسلمان ایک ایسا گلّہ تھے جس کا کوئی چرواہا نہ ہو۔ وہ اپنے مذہب سے روز بروز دُور ہوتے چلے گئے اور اُنھوں نے ہندوؤں کے بہت سے توہمات اور رسوم اختیار کر لئے[18]۔" ڈبلو۔ڈبلو ہنٹر کے خیال میں تو مسلمانوں کی حالت اور بھی زیادہ نازک تھی۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "مسلمانوں کا چونکہ کوئی رہنما نہیں تھا اس لئے وہ جہالت اور توہمات کی پستیوں میں اس حد تک گر گئے کہ بنگال میں اسلام ایک مردہ جسم رہ گیا تھا[19]۔" چنانچہ حاجی شریعت اللہ جب ۱۸۱۸ء میں مکّہ سے بنگال واپس آئے تو اُنھوں نے دیکھا کہ وہاں اسلام کا درخت ایمان کے پانی کی قلت کے باعث مرجھا رہا ہے[20]۔
اس جگہ یہ بات اہم ہے کہ حاجی شریعت اللہ نے اسلام کی تبلیغ واشاعت اور اسلامی تعلیم کے لئے فارسی یا اُردو کی جگہ بنگالی زبان استعمال کی حالانکہ اس وقت مسلمان علماء اور مبلغین کا واحد ذریعۂ تعلیم فارسی اور اُردو تھا اور بدقسمتی سے یہ صورت ابھی تک قائم ہے۔

فرائضی تحریک اور طریقۂ محمدیہ کے علاوہ اس زمانے میں ایک اور تحریک بھی شروع ہوئی تھی جو تعیُّنی کہلاتی تھی اور جس کے رہنما مولوی کرامت علی جونپوری تھے۔ انیسویں صدی کے بنگال میں یہ تیسری بڑی مذہبی تحریک تھی۔ مولانا کرامت علی خود کو سید احمد شہید کا شاگرد کہتے تھے اور اپنی تحریک کو طریقۂ محمدیہ کی شاخ قرار دیتے تھے۔ اُنہوں نے یہاں تک دعویٰ کیا کہ سید احمدؒ نے جو اصلاحی نظریات پیش کئے تھے اُن کی تحریک اُن نظریات کی صحیح معنوں میں علمبردار ہے۔ اُنھوں نے سید احمد کی تحریک کی دوسری شاخوں، پٹنہ کے مدرسۂ فکر نیز اہلِ حدیث جماعت کو انتشار پسند اور وہابی قرار دے کر ان کی مذمت کی۔ انھوں نے فرائضی تحریک پر بھی اعتراضات کئے اور اس کو بنگال کی خارجیت (خوارج تحریک) قرار دیا۔ انھوں نے ان اصلاحی تحریکوں کے مقابلے میں تقلید کے قدامت پسندانہ طریقے کی حمایت[23] کی۔ اگر یہ کہا جائے تو شاید غلط نہ ہوگا کہ مولوی کرامت علی آگے چل کر قدامت پسند ہو گئے تھے اور ان کی

ملاحی تحریک تحریف پسندی میں بدل گئی جس کا مقصد صرف طریقۂ محمدیہ ہی نہیں بلکہ اسلامی احیاء کے ام رجحان کو بدلنا تھا۔

اس مقصد کے لئے مولوی کرامت علی نے ایک ایسا درمیانی راستہ تلاش کرنا چاہا جس کے ذریعہ رامت پرستی اور احیاء کے رجحانات کے درمیان مفاہمت ہو سکے۔ ۱۸۵۷ء کی خون ریزی کے بعد انھوں ے اسلام اور تجدد کے درمیان بھی مفاہمت پیدا کرانا چاہی اور اس مقصد کے لئے انھوں نے نواب عبداللطیف سے تعاون کیا جو بنگال کے مسلمانوں میں تجدد کے علمبردار تھے۔ لیکن اس کوشش میں ان کا قدامت پسندی ں طرف بہت زیادہ میلان ہو گیا اور انھوں نے ایک ایسے عدم رواداری کے انداز میں جو بنگالیوں کے لئے جنبی تھا مذہبی تبلیغ شروع کر دی۔ اس تبلیغ کے سلسلے میں بڑے جوش و خروش سے بحث و مباحثے اور ناقشے ہوتے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مذہبی مبلغ کی حیثیت سے انھوں نے بنگال کے طول و عرض میں ندیم طریقے کے مطابق دینی اشاعت و تبلیغ میں نمایاں حصہ لیا۔ اس کے علاوہ آخر میں انھوں نے واب عبداللطیف کی وفاداری اور تجدد کی پالیسی کی جو حمایت کی وہ بنگال میں نیز علی گڑھ میں مسلم تجدد کے فروغ کا باعث ہوئی[۲۳]۔ اس لحاظ سے یہ تعینی تحریک بالواسطہ ترقی پسندانہ تجدد کے لئے ممد و معاون ثابت ہوئی۔

جیسا کہ ہم اوپر بتا چکے ہیں فرائضی تحریک اور طریقۂ محمدیہ نے ۱۸۱۸ء تا ۱۸۷۰ء بنگال میں بڑی مقبولیت حاصل کر لی تھی اور دونوں کی وجہ سے مختلف مقامات پر عوامی بغاوتیں بھی ہوئیں۔ لیکن تیسری تحریک یعنی اہل حدیث کو بنگال میں کم کامیابی نصیب ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ تحریک بہت زیادہ انقلابی نوعیت کی تھی اور اس کی ذہنی سطح اتنی بلند تھی کہ ایک ایسی سوسائٹی میں جو مذہبی لحاظ سے جاہل، اور قدامت پسندی کی حد تک حنفی تھی، اسے کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔

انیسویں صدی میں فرائضی تحریک اور طریقۂ محمدیہ کی مقبولیت کی وجہ معلوم کرنے کے لئے بنگال میں اسلام کی اشاعت کی تاریخ پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔ بنگال میں اسلام تاجروں اور صوفیوں کے ذریعہ پہنچا جن کی تعداد بہت مختصر ہوتی تھی۔ نیز ترک فاتحین کے ذریعہ آیا۔ یہ لوگ باہر سے آئے تھے۔ اس کے بعد مقامی باشندوں نے جو بدھ تھے یا ہندو اسلام قبول کیا جس کی وجہ سے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام بنگال میں ایک شاہی مذہب اور حکمران طبقہ کے مذہب

بت سے نہیں پھیلا بلکہ اس نے ایک مذہب انسانیت کی حیثیت سے ہر دلعزیزی حاصل کی ۔
ے متعلق یہ بجا طور پر کہا جاتا ہے کہ بنگال میں اسلام صوفیوں کا دیا ہوا ایک تحفہ ہے اور یہ صوفی
ہر کے انسان دوست تھے ۔

رہویں صدی عیسوی تا انیسویں صدی جب کہ بنگال میں اسلام کی زبردست اشاعت ہوتی رہی
ن میں مقامی عقائد اور توہمات غیر محسوس طور پر مسلم معاشرے میں بکثرت داخل ہو گئے اور اسلام
یادی تعلیمات اور عقائد میں گھل مل گئے ۔ لیکن جب تک مسلمانوں کو ملک میں سیاسی برتری حاصل
عاشی لحاظ سے خوشحال رہے یا اپنی حالت پر مطمئن رہے ۔

ں کے علاوہ اگرچہ مقامی اثرات اور ایرانی تصوف کے قوی عوامل کی وجہ سے مسلمان تقدیر پرستی کا شکار
تھے لیکن ان میں اسی تصوف کی بدولت مذہبی رواداری کا زبردست احساس بھی پیدا ہو گیا تھا ۔
رت میں قدرتی طور پر انھوں نے ان غیر اسلامی اثرات کی طرف سے تغافل برتا ۔ یہ صورت اس
ت قائم رہی کہ اٹھارہویں صدی کے نصف آخر اور انیسویں صدی کے نصف اول میں انگریز فاتحوں
ے خوشامدیوں کے ہاتھوں ان کو شکست کی ذلت اٹھانا پڑی ۔ چنانچہ اب ان میں بتدریج یہ احساس
شروع ہوا کہ ان کے سیاسی زوال (ان کے ناگفتہ بہ مصائب کے بنیادی سبب) کی وجہ یہ ہو سکتی
ہ اسلام کی اصلی تعلیمات سے بہت دور چلے گئے ہیں ۔ لہٰذا اس کا علاج یہی ہے کہ خدا کے سامنے توبہ
، اور اسلام کے حقیقی تصورات کو اختیار کیا جائے ۔ اس احساس نے اسلام کے احیاء کے لئے زرخیز
ہم کردی اور اس دور کے احیاء اسلام کے علمبرداروں نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ۔ ان اسباب
ے بنگالی مسلمانوں نے فرائضی تحریک اور طریقۂ محمدیہ کی تائید و حمایت کی اور ان تحریکوں نے ایک طرف
نی اور تصوف سے اپنا تعلق قائم رکھا اور دوسری طرف توبہ و ندامت کے بعد اسلام کی بنیادی تعلیمات
رنے کا مطالبہ کیا ۔

رہویں صدی کے نصف آخر میں اور اس کے بعد مسلمانوں کے اعلیٰ طبقہ کے خاتمہ نے، جیسا کہ اوپر
ا چکا ہے، ایک ایسے وقت مسلمانوں کو قیادت کے سرچشمے سے محروم کر دیا کہ جب گماشتوں، زمینداروں
، کاشت کاروں کے ظلم و جبر سے مسلمان کسانوں کو بچانے کی بڑی ضرورت تھی ۔ ان لوٹ کھسوٹ
ں کی اکثریت غیر ملکی تھی اور وہ جلد از جلد دولت پیدا کرنے کی حرص سے مغلوب تھے ۔ جب یہ

مطلوبہ قیادت مسلمانوں کا تباہ حال اعلیٰ طبقہ فراہم نہ کرسکا تو عوام نے یہ قیادت اپنی ہی صفوں سے فراہم کرنے کی کوشش کی۔ ۱۸۱۸ء میں فرائضی رہنما حاجی شریعت اللہ کا ظہور اور ۱۸۲۰ء کے بعد سے طریقۂ محمدیہ کی بنگال میں توسیع واشاعت اور خاص طور پر ۱۸۲۷ء کے قریب شہید تیتومیر کا ظہور مسلمان عوام کی ان نئی خواہشوں اور تمناؤں کے عین مطابق تھا۔ یہ دونوں رہنما عوام سے اُٹھے تھے اور اُنہوں نے اپنے ہم مذہبوں سے مطا کیا تھا کہ وہ اپنے اخلاق کو سدھارنے کے لئے خدا کے سامنے توبہ واستغفار کریں اور اپنے اعمال کی اصلاح کریں تاکہ ان کے مصائب دُور ہوسکیں۔ اس کے ساتھ ہی اُنھوں نے لوگوں کو تحذیر کی کہ وہ غفلت کی نیند سے جاگیں اور ایک دوسرے کی امداد اور متحدہ جدوجہد کے ذریعہ اپنے فطری حقوق کی حفاظت کے لئے دینی بھائیوں کی حیثیت سے متحد ہوجائیں۔ اس طرح ان اصلاحی تحریکوں سے اس وقت کے د نمایاں ترین مطالبوں کی تکمیل کی امید پیدا ہوگئی یعنی لوگوں کو اسلام کی سچی تعلیمات کی طرف رہنمائی کر اور زمینداروں اور نیل کے کاشت کاروں کے مظالم سے عوام کو نجات دلانا۔

مختصر طور پر یہ دو اسباب تھے جنہوں نے باضابطہ تبلیغ واشاعت کے نظام کی مدد سے ان اصلا تحریکوں کو بنگال کے دیہات میں ہردلعزیز بنا دیا۔ اور یہ مظلوم عوام کی مؤثر طور پر رہنمائی کرتی رہیں جب تک گم شدہ خوشحالی کی بازیابی کے لئے ان کی کامیابی کی ذرہ برابر بھی اُمید رہی ان کی یہ ہردلعز قائم رہی۔ ان کی یہ مقبولیت صرف اس وقت کم ہونا شروع ہوئی جب ۱۸۶۳ء تا ۱۸۷۰ء کے زما برطانوی حکومت نے جہاد کی تحریک کو بے رحمی کے ساتھ کچل ڈالا۔ اسی زمانے میں بنگال میں تجدد زور پکڑنا شروع کردیا تھا۔ اور مسلمانوں میں تجدد کی یہ تحریک اسلامی دنیا میں ہر جگہ موجودہ صدی کے میں احیاء اسلام کی تحریکات کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ گئی اور اس کی بدولت احیاء کے رجحانات کی ج بتدریج عقلی اور علمی اندازِ فکر نے اور متوسط طبقہ کی قیادت نے لے لی اور یہ عمل اس وقت ہوا لہٰذا مذہبی اصلاحات کرنے سے قطعِ نظر یہ تحریکیں عوام کی اس جدوجہد کا مظہر بھی تھیں جو اُنھوں کے اس خلاء کو پُر کرنے کے لئے کی تھی جو اٹھارہویں صدی کے نصف آخر میں مسلمانوں کے اعلیٰ طبقہ کی وجہ سے پیدا ہوگیا تھا۔

قیادت کے اس خلاء کو پُر کرنے کی ضرورت اس وقت تک رہی جب تک کہ بیسویں ص آغاز میں بنگال کے مسلمانوں میں ایک طاقتور متوسط طبقہ پیدا نہیں ہوگیا (مسلسل)

حواشی وحوالجات

لاحظہ کیجئے میری کتاب " بنگال میں فرائضی تحریک کی تاریخ " ۔ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی ، کراچی ۱۹۶۷ء حصہ دوم صہ ۱۱ ۔

یضاً ، صہ ۳۶ نیز دیکھئے سید احمد شہید حصہ اوّل صہ ۱۱۱ از غلام رسول مہر ۔ مہر صاحب نے تاریخ کا جو تعین کیا ہے وہ ڈاکٹر محمود حسین کے مقابلہ میں زیادہ صحیح ہے ۔ محمود حسین نے تحریک آزادی کی تاریخ (انگریزی) مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی ۔ کراچی کی جلد اوّل صہ ۵۶۲ میں تاریخ کا تعین ۱۸۱۷ء کیا ہے جب کہ مہر صاحب نے ۱۸۱۸ء لکھا ہے ۔

ڈاکٹر محمد عبدالباری نے جو سوال اُٹھایا ہے اس کے لئے دیکھئے " تحریک آزادی کی تاریخ " (انگریزی) OP. CIT صہ ۵۴۵ حاشیہ ۳ ۔

دیکھئے فرائضی تحریک کی تاریخ (انگریزی) OP. CIT حصہ دوم باب چہارم صہ ۲۳

ملاحظہ کیجئے میرا مضمون " تحریک طریقۂ محمدیہ ، ایک تجزیاتی تعریف " ، مطبوعہ " اسلامک اسٹڈیز " (انگریزی) ۔ اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ، اسلام آباد ، جلد چہارم ۴ دسمبر ۱۹۶۷ء صہ ۳۷۵ - ۳۸۸ ۔

بنگالی میں " نثار علی " تلفظ کیا جاتا ہے ۔

لاحظہ کیجئے میرا مضمون : "THE STRUGGLE OF TITU MIR, A RE-EXAMENATION" ; "JOURNAL OF THE ASIATIC SOCIETY OF PAKISTAN DACCA" کی جلد چہارم ۱۹۵۹ء کے صہ ۱۱۳ پر شائع ہُوا ۔ نیز میری کتاب فرائضی تحریک کی تاریخ (انگریزی) OP, CIT, PP LX - LXVIII ۔

یئے میری کتاب فرائضی تحریک کی تاریخ (انگریزی) صہ ۷۱ - XLVII اور LXIII - LXVII - LXIII ۔

یناً صہ XCII - CXVII ۔

اکٹر عزیز الرحمٰن ملک کی کتاب "BRITISH POLICY AND THE MUSLIMS OF BENGAL 1752-185" ڈھاکہ ۱۹۶۱ء کے متعلقہ ابواب ۔

حظہ کیجئے میرا مضمون " ایسٹ انڈیا کمپنی کے تحت مسلمانان بنگال کی معاشی حالت " (انگریزی) مطبوعہ اسلامک سٹڈیز ، اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ، اسلام آباد جلد ۶ ، ۳ ستمبر ۱۹۶۷ء صہ ۲۷۷ - ۲۸۸ ۔

۱۲ - ملاحظہ کیجئے ڈاکٹر محمد علی کا مضمون "جنگ پلاسی کا پس منظر" (انگریزی) مطبوعہ جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف پاکستان ڈھاکہ، جلد دوم - ۳ دسمبر ۱۹۶۶ء صہ ۳۷ - ۷۰ -

۱۳ - ملاحظہ کیجئے میرا مضمون "بنگال کے مسلمانوں کی معاشی حالت" (انگریزی) OP-CIT, صہ ۲۷۷-۲۸۸

۱۴ - ملاحظہ کیجئے ڈاکٹر مظہر الحق کی کتاب "THE EAST INDIA COMPANY LAND POLICY AND COMMERCE IN BENGAL-1698-1784" مطبوعہ ڈھاکہ ۱۹۶۲ء صہ ۲۶۳ - اور ڈاکٹر عزیز الرحمٰن ملک OP.CIT, صہ ۵۶ - ۵۷ -

۱۵ - ملاحظہ کیجئے میری کتاب "فرائضی تحریک کی تاریخ" OP.CIT حصہ اوّل باب دوم سیکشن سی صہ CII-CXVII

۱۶ - ملاحظہ کیجئے کلکتہ ریویو جلد اوّل ۱۸۴۴ء صہ ۱۹۶ -

۱۷ - "ہندوستان میں تحریک آزادی کی تاریخ" (انگریزی) از ڈاکٹر آر۔ سی ماجومدار کلکتہ ۱۹۶۳ء جلد اوّل

۱۸ - ملاحظہ کیجئے: JAMES WISE: NOTES ON THE RACES CASTES AND TRADES OF EASTERN BENGAL, LONDON, 1884" صہ ۲۱ -

۱۹ - ملاحظہ کیجئے ڈبلو۔ ڈبلو ہنٹر کی کتاب "ENGLAND,S WORK IN INDIA" مطبوعہ مدراس ۱۸۸۸ء صہ ۴۷ -

۲۰ - ملاحظہ کیجئے "فرائضی تحریک کی تاریخ" (انگریزی) حصہ دوم، باب ششم صہ ۴۶ -

۲۱ - ایضاً صہ ۶۲ - ۶۳ -

۲۲ - ملاحظہ کیجئے میرا مضمون "SOME REFLECTIONS ON MAULANA KARAMAT ALI,S ROLE AS A REFORMER" مطبوعہ اسلامک اسٹڈیز جلد چہارم ۱ مارچ ۱۹۶۵ء صہ ۱۰۳ -

۲۳ - ایضاً صہ ۱۰۷ - ۱۰۹ -

۲۴ - بنگال کے مسلمانوں میں مذہب سے ناواقفیت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ مسلمان مولوی تعلیم بنگالی کی بجائے اردو میں دیتے تھے جس کی وجہ سے عوام تک یہ تعلیم نہیں پہنچ سکتی تھی